رحم وکرم خواب وخیال سے زیادہ نہیں، چالباز اور جھوٹوں کے ساتھ تو حکمراں احسان اور حسن سلوک کر سکتے ہیں، مگر مخلص کی جگہ ان کی نظر میں جیل یا کوئی نہایت تکلیف دہ جگہ ہی ہو سکتی ہے، گو اس سے بھی انکار نہیں کہ اللہ کے بندے آج بھی کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں، مگر یہ شاذ ونادر ہی۔

سلطان محمد بن تغلق جو بڑی خوبیوں کا بادشاہ گذرا ہے، اور جو اپنی سخاوت اور فیاضی میں بہت مشہور رہے، اس کی دینی شغف کا اندازہ اس اقتباس سے لگائیے،

"نماز، روزہ کے علاوہ مستحبات ونوافل اور وظائف واوراد تک کا اہتمام اور ان کی پابندی کرتا اور ممنوع اور نشہ آور چیزوں سے اور ہر اس فعل سے کہ جس پر معصیت کا اطلاق ہو سکتا ہے پرہیز کرتا تھا۔"

یہ تو اپنا ذاتی حال تھا، اور تبلیغ کا یہ حال تھا جیسا کہ ابن بطوطہ کا بیان ہے۔

"سلطان کا حکم تھا کہ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھے اس کو سزا دی جائے اس نے بہت سے لوگوں کو اس کام پر مقرر کیا، کہ جو شخص جماعت کے وقت بازار میں ملے اس کو پکڑ کر لائیں، سلطان کا حکم تھا کہ ہر شخص نماز اور اسلام کے احکام سیکھے، چنانچہ لوگ بازاروں میں نماز کے مسائل یاد کرتے پھرتے، اور انھیں کاغذوں پر لکھواتے تھے۔"[1]

اس بادشاہ پر خدا کی رحمتیں ہوں، کہ اس نے اپنی عبدیت کو خوب سمجھا، اور اپنے فرائض کو جیسا چاہئے ادا کیا، اس واقعہ میں مسلمان کلمہ گو حکمرانوں کے لئے عبرت وبصیرت کے تابناک اسباق ہیں، کاش موجودہ مسلمان اس بات کو سمجھیں اور ان پر عمل پیرا ہوں۔

ہمارے ہندو بھائی انگریزوں کی تعلیم سے متاثر ہو کر کہیں گے کہ تب تو یہ بادشاہ متعصب رہا ہوگا، مگر حاشا وکلا ایسی بات نہیں، جو دیندار ہوتا ہے، وہ عادل اور خدا ترس ہوتا ہے اور اس کی نظر میں سارے رعایا برابر ہوتے ہیں، چنانچہ یہ بادشاہ بھی بڑا منصف اور عدل گستر تھا،

---

[1] مسلمانوں کا عروج وزوال ص ۲۷۶

ابن بطوطہ کا بیان ہے

"میں نے سلطان محمد بن تغلق سے زیادہ منصف اور عدل گستر کوئی نہیں دیکھا، ایک مرتبہ ایک "ہندو امیر" نے دعویٰ کیا، کہ بادشاہ نے اس کے بھائی کو بلاوجہ مار ڈالا ہے، قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوا، تو بادشاہ بغیر کسی ہتھیار کے قاضی کے سامنے عام ملزموں کی طرح حاضر ہوا، اور قاضی کو سلام کیا، اور تعظیم بجا لایا، پہلے سے حکم تھا کہ بادشاہ عدالت میں حاضر ہو تو قاضی اس کی تعظیم کے لئے کھڑا نہ ہو، مقدمہ سنایا گیا، آخر قاضی نے فیصلہ کیا، کہ بادشاہ پر جرم ثابت ہے اسے چاہیے کہ مدعی یعنی ہندو امیر کو راضی کرے، ورنہ اس سے قصاص لیا جائے گا چنانچہ سلطان نے امیر کو رضامند کر لیا، اور قاضی نے اسے بری کر دیا"[1]

اس سے بھی عجیب تر واقعہ سنئے،

"ایک امیر کے لڑکے نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ نے اس کو بلا سبب مارا ہے، قاضی کے سامنے معاملہ گیا تو اس نے حکم دیا کہ بادشاہ یا تو لڑکے کو راضی کرے ورنہ قصاص دے، ابن بطوطہ خود اپنی آنکھوں دیکھی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ بادشاہ نے لڑکے کو دربار میں بلا کر اس کے ہاتھ میں چھڑی دی اور کہا اپنا بدلہ لے لے اور اس کو اپنے سر کی قسم دلائی، کہ جیسا میں نے تجھ کو مارا ہے تو بھی مجھے مار۔ چنانچہ لڑکے نے ہاتھ میں چھڑی لے کر اکیس چھڑی بادشاہ کے ماریں یہاں تک کہ ایک دفعہ اس کی کلاہ بھی سر سے گر پڑی"[2]

کیوں اب ہمارے زمانہ میں حکمرانوں میں یہ عدل گستری پائی جاتی ہے؟ اے کاش حکمراں طبقہ ان واقعات کو پڑھتا اور سبق حاصل کرتا، آزاد بھارت اور پاکستان میں لاکھوں ہزاروں مسلم ہندو قتل کر دیئے گئے مگر کسی نے کوئی خبر تک نہ لی، قاتل کی نکسیر تک نہ پھوٹی، کہا جاتا ہے وزراء نے مل کر بعض منصف اور عدل گستر کو قتل کروا ڈالا، مگر مقدمہ تک چلنے کی نوبت نہ آئی، روس جو اشتراکیت کا حامی ہے اس نے اپنے ملک کے ایک مدبر کو بات کی بات میں مار ڈالا مگر سمجھا یہی گیا کہ انصاف۔

کیا ایسا اس دور میں اپنے جرم کا اعتراف کون کرتا ہے؟

[1] مسلمانوں کا عروج و زوال ص۲۶۲ [2] ایضاً

حیات شیخ عبد الحق

از

(ابو المآثر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی)

فاضل گرامی جناب خلیق احمد صاحب نظامی ہم سب کے شکریہ کے مستحق اور قابلِ مبارک باد ہیں کہ انھوں نے حیات شیخ عبد الحق لکھ کر اردو لٹریچر میں بہت اہم اضافہ فرمایا، ان کی اس کتاب کو پڑھ کر میں بے حد محظوظ ہوا، اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص یہ کتاب پڑھ کر ان کی تلاش و جستجو اور محنت و کاوش کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا

اس اعتراف کے ساتھ ساتھ فاضل مصنف سے معافی چاہتے ہوئے اتنا اور بھی عرض کروں گا کہ ان تمام خوبیوں کے باوجود کسی موقع پر توجہ نہ ہونے یا مواد نہ ملنے کی وجہ سے کچھ فروگذاشتیں بھی ہو گئی ہیں، جن کی نسبت میں امید کرتا ہوں کہ دوسرے ایڈیشن میں باقی نہ رہیں گی۔

اس وقت اس سلسلہ میں میرے سامنے جو چند باتیں ہیں ان کو اس لئے سپرد قلم کرتا ہوں کہ جب تک دوسرے ایڈیشن کی نوبت نہیں آتی اس وقت تک اگر انھیں چند سطروں کو چھاپ کر حیات شیخ عبد الحق کا ضمیمہ بنا دیا جائے تو فی الجملہ ان فروگذاشتوں کی تلافی ہو جائے گی۔

اس کتاب میں سب سے بڑی کمی جو مجھے نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شیخ محدث کے تلامذہ و مسترشدین کا کوئی باب یا عنوان نہیں ہے، حالانکہ حیاتِ شیخ کا یہ ایک نہایت سنہرا ورق ہے، جس کا اس لاجواب تصنیف میں موجود ہونا اس کی زیب و زینت کے لئے بھی ضروری تھا، نیز اس کے بغیر کتاب کا موضوع بھی تشنہ نظر آتا ہے۔

مگر ہم کو فاضل مصنف کی معذوری کا پورا احساس ہے، شیخ محدث کے معاصر یا قریب العہد تذکروں کی نایابی یا کم یابی کی وجہ سے اس باب کے لئے خاطر خواہ مواد فراہم نہیں ہو سکا، کیونکہ

تعجب کی بات ہے کہ شیخ محدث بیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد اٹھارہ برس تک روانگی حجاز سے پہلے اور باون برس تک واپسی کے بعد مسند درس وارشاد پر متمکن رہے اور ہنگامۂ تعلیم وارشاد برپا رکھا، اس طویل مدت میں خدا ہی بہتر جانتا ہے کتنے خوش نصیبوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہوگا، اور کتنوں نے روحانی برکتیں حاصل کی ہوں گی، مگر آج ذرائع تحقیق وتفتیش کے فقدان کی وجہ محدودے چند ناموں سے زیادہ دستیاب نہیں ہو سکے مجھ کو اس وقت جو نام مستحضر ہیں ان کو پیش کرتا ہوں۔

(۱) شیخ نور الحق صاحبزادہ شیخ محدث کا نام ان کے تلامذہ میں سر فہرست ہے، اولاد شیخ محدث کے عنوان کے ماتحت نظامی صاحب ان کا ذکر کر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، ہاں اتنا اضافہ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نور الحق کے فیض صحبت سے جس طرح ان کی اولاد نے علم حدیث میں کمال پیدا کیا دوسرے فضلائے وقت بھی اس دولت سے مالا مال ہوئے، ازاں جملہ میر سید مبارک بلگرامی محدث ہیں جن کو آزاد بلگرامی مآثر الکرام میں قطب المحدثین کے لقب سے یاد کرتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں وہ جب تک دہلی میں رہے، برابر شیخ نور الحق کے مکان میں سکونت پذیر اور شب وروز استفادہ میں مصروف رہے۔ نواب صدیق حسن تقصار میں لکھتے ہیں۔

از اول تا آخر بخانۂ شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق دہلوی سکونت ورزید وعلم حدیث ازاں جناب اخذ کرد و دریں فن اشرف مہارتے عالی بہم رسانید وتمام عمر در خدمت کلام نبوی فنا ساخت	شروع سے اخیر تک شیخ نور الحق کے مکان پر مقیم رہے اور ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور اس فن میں بڑی مہارت پیدا کی، اور ساری عمر حدیث کی خدمت میں بسر کی۔

سید مبارک محدث کے حالات معلوم کرنے کے لئے مآثر الکرام وتقصار کا مطالعہ کرنا چاہئے ان کا سن وفات ۱۱۱۵ھ اور مزار بلگرام میں ہے۔ سید مبارک سے علم حدیث کی تحصیل وتکمیل

سید عبد الجلیل بلگرامی المتوفی ۱۱۳۸ھ نے اور شاہ طیب بن سید نعمت بلگرامی المتوفی ۱۱۵۲ھ نے
کی، آزاد بلگرامی سید عبد الجلیل کے ذکر میں لکھتے ہیں اخذ الحدیث عن قطب المحدثین
منبع المجد الطوامی مولانا السید مبارک الحسینی الواسطی البلگرامی المتوفی
سنۃ خمسۃ عشر ومائۃ والف وھو اخذ عن الشیخ نور الحق وھو عن ابیہ
الشیخ عبد الحق الدہلوی (سبحۃ المرجان ص۸۳) اور شاہ طیب بلگرامی کے ذکر میں فرماتے
ہیں "کہ حدیث از قطب المحدثین سید مبارک سند کرد" (مآثر الکرام)

شیخ نور الحق کے حلقۂ درس میں جو فضلا شریک ہوتے اور ان سے سندِ فضیلت حاصل
کی ان میں حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی المتوفی ۱۰۸۰ھ کو خاص امتیاز حاصل ہے اس لئے کہ حضرت
ملا نظام الدین سہالوی سے لے کر آج تک کے تمام علمائے فرنگی محل اور سلسلہ نظامیہ کی دوسری
شاخوں کے تمام علمائے ہند علوم درسیہ میں شاہ پیر محمد رحمۃ اللہ کے شاگرد و تلمیذ ہیں اور ان کے
واسطہ سے سب کا سلسلہ حضرت شیخ عبد الحق دہلوی سے مل جاتا ہے (ملاحظہ ہو باقیات صالحات
مصنفہ مولانا عبد الباری اور دیگر رسائل علمائے فرنگی محل)

(۲) شیخ ہاشم فرزند شیخ دہلوی

(۳) رضی الدین ابو المناقب شیخ علی محمد فرزند شیخ دہلوی

(۴) شیخ ابو البرکات ولی الدین عبد النبی

(۵) شیخ ابو السعادت کمال الدین ابو الرضا بابا رتن، شیخ دہلوی کے نواسے (یا پوتے)
یہ سب حضرات شیخ دہلوی کے اجازت یافتہ تھے، رسالہ مثبت الشیخ عبد الحق الدہلوی
کے ساتھ میں نے اس اجازت نامہ کی نقل دیکھی ہے جس میں ان سب حضرات کے نام
بہت بلند مدحیہ الفاظ کے ساتھ درج ہیں، اور حدیث کی جو کتابیں ان لوگوں نے شیخ دہلوی
کے پاس پڑھی ہیں ان کے نام بھی درج ہیں۔

(۶) مولانا محمد حیدر دہلوی، مذکورہ بالا اجازت نامہ کے ساتھ ایک مستقل اجازت نامہ

مولٰنا محمد حیدر بن مولانا صادق بن مولانا حاجی علی کے نام سے بھی ہے جس کے آخر میں ۲۲ر ذی القعدہ ۱۰۵۷ھ کی تاریخ ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں ایک اور اجازت نامہ ہے جس میں مولانا حیدر نے شیخ مولانا احمد بن شاہ محمد بن ابراہیم کو حدیث کی سند اور روایت کی اجازت دی ہے، اور اس پر مولانا حیدر نے اپنا دستخط اس طرح کیا ہے، محمد حیدر بن محمد صادق بن میر محمد علی الدہلوی مولداً الہمدانی اصلاً والجعفری نسباً۔

(۷) شیخ محمد حسین نقشبندی، اس رسالہ کے سر ورق پر ایک تحریر شیخ احمد ابو الخیر مکی کی ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ مولف (شیخ عبد الحق دہلوی) سے شیخ محمد حسین نقشبندی اور ان سے شیخ حسن عجیمی المونی روایت کرتے ہیں اور میں متعدد طرق سے بواسطہ شیخ عبد الحق روایت کرتا ہوں جن میں سب سے عمدہ اور صحیح طریق وہ ہے جو میرے شیوخ کی ان اسنادوں سے ہے جو شیخ حسن عجیمی سے متصل ہوتی ہیں۔

(۸) اسی رسالہ کے سر ورق پر یہ بھی ہے کہ شیخ صالح زوادی نے کتاب لامم کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ شیخ محمد فاسی شیخ عبد الحفیظ عجیمی سے اور وہ محمد بن[1] عبد الغفور سندی سے اور وہ شیخ عبد القادر مفتی سے اور وہ مولف (شیخ عبد الحق دہلوی) سے روایت کرتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا، شیخ عبد القادر مفتی سے مراد شیخ عبد القادر مفتی مکہ المتوفی ۱۱۳۸ھ معلوم ہوتے ہیں ان کا سماع یا لقاء شیخ دہلوی سے مستبعد ہے، غالباً ان کے اور شیخ کے درمیان ایک واسطہ چھوٹ گیا ہے

(۹) خواجہ حیدر بن خواجہ فیروز کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، عالم عامل، عارف کامل اور استاد علمائے کشمیر تھے، آپ نے ابتدا میں ابو الفقر النعدیب مسکیں کی خدمت میں قرآن پاک یاد کیا اور ابتدائی علوم حاصل کئے، فنون کی تحصیل مولانا جوہر ناتھ کے پاس کی، آخر میں حضرت شیخ محدث کے ہاتھ پر بیعت کی اور علوم حدیث کی تحصیل کر کے ان علوم کی اجازت بھی ان سے پائی، اسرار الابرار میں ہے۔ "در آخر مرید شیخ عبد الحق دہلوی شدہ و تحصیل علوم حدیث پیش او کردہ رخصت دراں

[1] اصل میں یوں ہی ہے مگر صحیح محمد ہاشم بن عبد الغفور ہے ۱۲ حبیب الرحمٰن

علوم ازو یافتہ"

خواجہ حیدر کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں میں حضرت شیخ کے پاس تحصیل علم میں مصروف تھا ایک دن شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ تم رات دن تحصیل علم میں لگے رہتے ہو قرآن پاک کب پڑھتے ہو، پھر ایک دن فرمانے لگے کہ میرا جی چاہتا ہے شب برات کو تم سے ایک ختم نماز میں، سنوں چنانچہ شب برات کو میں حاضر خدمت ہوا، شیخ نے مجھ کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا، میں نے آگے بڑھ کر تحریمہ باندھا، شیخ نے بھی میری اقتدا میں تحریمہ باندھا، اس کے بعد میں نے پڑھنا شروع کیا اور اسی رات میں پورا قرآن سنا دیا کسی ایک جگہ بھی لقمہ دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی، صبح کو شیخ نے فرمایا کہ بسیار خوب خواندی و ضبط بنہایت داری (تم نے بہت اچھا پڑھا اور خوب یاد رکھا ہے) لیکن اگر تھوڑا علم مخارج اور قواعد قرأت بھی حاصل کر لو تو بہتر ہو اس کے بعد میں نے شیخ سے علم مخارج اور اصول قرأت کی تحصیل کی۔ (اسرار الابرار)

خواجہ حیدر قرآن یاد کرنے کے بعد مدۃ العمر ہر سال پورا قرآن تراویح میں پڑھتے رہے، یہ کبھی فوت نہیں ہوا الا یہ کہ ایک سال سفر کی وجہ سے چھوٹ گیا تو دوسرے سال اس کی قضا کی۔

۱۰۵۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ بابا داؤد مشکوتی مصنف اسرار الابرار ان کے شاگرد ہیں

خواجہ حیدر کا ذکر حدائق الحنفیہ اور تذکرہ علمائے ہند میں بھی ہے۔

(۱۰) مولانا سلیمان احمد آبادی ——— آپ کی نسبت تذکرہ علمائے ہند میں لکھا ہے

از خدمت شیخ عبدالحق دہلوی کسب فیوض نمودہ، فاضل متبحر گشت، تصانیف عالیہ ازو یادگار اند (تذکرہ علمائے ہند ص۱۲)

شیخ عبدالحق دہلوی کی خدمت میں فیوض حاصل کئے، اور متبحر فاضل ہوئے، متعدد اونچی تصنیفات ان کی یادگار ہیں۔

ان کا سال وفات معلوم نہیں۔ ان سے ان کے لڑکے مولانا احمد احمد آبادی نے علم حدیث و دوسرے علوم کی اجازت لی، مولانا احمد یکتائے روزگار عالم تھے، تمام علوم میں ان کو دسترس حاصل تھی، اور اکثر علوم میں ان کی تصنیفات پائی جاتی ہیں، ازاں جملہ علم کلام میں ان کی کتاب دفع [illegible]

ہے، زیادہ تر مولانا محمد شریف کے پاس تحصیل علم کی، اور علوم عقلیہ مولانا ولی محمد خان سے، تصوف میاں شیخ فرید سے اور علم ریاضی شاہ قباد مخاطب دیانت خاں سے حاصل کیا۔ مولانا احمد نے ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی، آپ کا اور آپ کے والد بزرگوار مولانا سلیمان کا مزار احمد آباد میں ہے (تذکرہ علمائے ہند ص۱۲-۱۳) مولانا احمد بن سلیمان۔ شیخ فتح محمد بن شیخ عیسیٰ برہان پوری کے بھانجے ہیں اور شیخ نے مفتاح الصلوٰۃ انھیں کے لئے تصنیف فرمائی تھی جیسا کہ خود ہی مفتاح الصلوٰۃ کے خاتمہ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

مولانا احمد سے اکثر علوم ظاہر مولانا شیخ نور الدین احمد آبادی نے حاصل کئے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے، تحصیل اکثر علوم ظاہر از آخوند مولانا احمد بن آخوند مولانا سلیمان نمودہ (ص۲۴۷) سبحۃ المرجان میں بھی مولانا احمد سے مولانا نور الدین کے تلمذ کا ذکر ہے۔ مولانا نور الدین بلند پایہ محدث تھے انھوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام نور القاری ہے اس کتاب کا قلمی نسخہ کھمبرڈ وچ کے محکمۂ قضاۃ کے کتب خانہ میں موجود ہے، مولانا نور الدین نے ۱۱۵۵ھ میں وفات پائی۔

مولٰنا نور الدین کے علوم و معارف کے وارث ان کے فرزند شیخ محمد صالح عرف پیر بابا تھے، انھوں نے شاہزادہ محمد معظم کی فرمائش پر رسالہ چہل حدیث کا فارسی ترجمہ تحفۃ العرفان کے نام سے لکھا ہے، اس رسالہ کا قلمی نسخہ بھی مذکورہ بالا کتب خانہ میں ہے (معارف ص۱ جلد ۶۲) پیر بابا کی وفات ۱۱۴۷ھ میں ان کے والد کی حیات میں ہوئی (تذکرہ علمائے ہند ص۲۱۵)

(۱۱) ملا عبد الحکیم سیالکوٹی المتوفی ۱۰۶۷ھ نے بھی شیخ محدث سے استفادہ کیا ہے اور شیخ نے ان کو اپنی کتابوں کی روایت کی اجازت دی ہے، اور ان سے ان کے لڑکے عبد اللہ لبیب[۲] نے ان کتابوں کی روایت کی، عبد اللہ لبیب سے عبد اللہ بن سعد اللہ[۳]

---

[۱] تاریخ محمدی قلمی نسخہ رام پور میں ان کا ذکر ہے۔ ۱۰۸۳ھ میں وفات ہوئی ۱۲ [۲] عبد اللہ لبیب فرزند ملا عبد الحکیم کی عالمگیر بہت قدر کرتے تھے، ان کی تصنیفات میں تلویح کا حاشیہ تدریج ہے (حدائق الحنفیہ) اور صاحب تذکرہ علمائے ہند نے لکھا ہے کہ اگرچہ آدمی علوم از پدر فائق بر آمدہ (ص۱۲۵) [۳] عبد اللہ بن ملا سعد اللہ لاہوری نزیل مدینہ منورہ شیخ ابو طاہر کردی کے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کردی کے بھی استاد و شیخ تھے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

لاہوری المتوفی ۱۰۸۳ھ نے اور ان سے حضرت شاہ ولی اللہ کے شیخ الحدیث ابوطاہر کردی نے روایت کی ہے، حضرت شاہ صاحب شیخ ابوطاہر کے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ازاں جملہ شیخ عبداللہ لاہوری وکتب ملا عبدالحکیم سیالکوٹی از وے روایت کند عن الشیخ عبد الله اللبیب عن مولانا عبد الحکیم وکتب شیخ عبدالحق دہلوی بہمیں واسطہ از مولانا عبدالحکیم روایت کند و وے از شیخ عبدالحق اجازت روایت (انسان العین ص۱۳)

(۱۳) سید شاہ طیب ظفرآبادی، سادات سیوانہ کی نسل سے تھے، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی خدمت میں علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل کی۔ اور بڑا فیض حاصل کیا فراغ کے بعد ایک مدت تک درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا۔ اس کے بعد خدا طلبی کی دھن پیدا ہوئی اور شیخ کامل کی تلاش میں پھرتے پھرتے جھوسی پہنچے اور وہاں حضرت شیخ تاج الدین جھوسوی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اور چند دنوں میں خلافت سے بہرہ ور ہوتے، تھوڑے عرصہ تک جھوسی اور بنارس کے اطراف میں قیام رہا، پھر ظفرآباد آکر محلہ مخدوم پور میں سکونت اختیار کرلی، اور وہیں انتقال فرمایا، مزار ظفرآباد (ضلع جونپور) میں ہے (تجلی نور ص۳۲ حصہ دوم) مصنف بحر زخار کے جد اعلیٰ شیخ محمد محمود قلندر ان کے ارشد خلفاء میں ہیں (تحفۃ الابرار ورق ۳۳) اور تجلی نور میں شیخ دانیال بنارسی کو بھی ان کا خلیفہ بتایا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے، شیخ دانیال بنارسی المتوفی ۱۰۱۵ھ حضرت شیخ عبدالسلام قلندر جونپوری عرف شاہ علن المتوفی ۹۷۶ھ کے خلیفہ تھے کما فی النفحات العنبریہ (ص۱۱) اور بقول صاحب تحفۃ الابرار شیخ سلطان محمود المتوفی ۹۹۷ھ (جو شیخ مبارک خیر محمدی چشتی المتوفی ۹۸۳ھ کے مرید اور شاہ ادھن جونپوری المتوفی ۹۷۶ھ اور شاہ عبدالسلام مذکور کے خلیفہ تھے کما فی النفحات) کے خلیفہ تھے، ملا عزیز اللہ کا بیان ہے کہ ہمارے والد شیخ حسین (المتوفی ۱۰۰۸ھ) ان کی صحبت سے بہرہ ور ہوتے تھے، وہ (شاہ طیب)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور انھوں نے العبد الصالح المحمد الصوفی کے اوصاف کے ساتھ ان کا نام لیا ہے، شیخ عبداللہ لاہوری نے مدینہ منورہ میں ۱۰۸۳ھ میں وفات پائی (الامم ص۵) اور شیخ ابراہیم کردی نے ۱۱۰۲ھ میں (انسان العین ص۵) اور خاتمہ امم میں ہے کہ ۱۱۰۱ھ میں یا ۱۱۰۲ھ میں ۱۲ منہ لہ المتوفی ۱۱۴۵ھ کما فی انسان العین ۱۲ منہ لہ المتوفی ۱۰۳۰ھ (مناقب العارفین قلمی) لہ المتوفی ۹۸۶ھ علی ما فی النفحات العنبریہ ۱۲ منہ

بہت معمر اور اجلہ مشائخ میں سے نہ تھے، ان کو بہت سے اہل اللہ کی زیارت کا شرف حاصل تھا، اب ان کے خلیفہ شیخ الشیوخ شیخ بڈھن ظفر آبادی ہیں جن کا سن شریف اس وقت (یعنی ۱۰۲۶ھ) میں اسی سے زیادہ ہے، میں ان کی زیارت سے بارہا مشرف ہوا ہوں (تحفۃ الابرار قلمی ورق ۲۱)

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۰۲۵ھ سے پہلے شاہ طیب کا انتقال ہو چکا تھا قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ میر سید طیب کی وفات گیارہویں صدی کے اوائل یا دسویں کے اواخر میں ہوئی ہے

(۱۳) مخدوم دیوان عبد الرشید جونپوری مصنف مناظرہ رشیدیہ، آپ کا ذکر آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں کیا ہے، نیز تذکرہ علمائے ہند وحدائق الحنفیہ ومناقب العارفین و گنج رشیدی و نفحات العنبریہ وغیرہ متعدد کتب میں آپ کے حالات مذکور ہیں، آپ ملا محمود جونپوری کے معاصر و ہم سبق اور استاذ الملک ملا محمد افضل جونپوری اور ملا شمس نوربردونی کے شاگرد رشید تھے اور حضرت مخدوم طیب بنارسی کے چشتی سلسلہ میں خلیفہ تھے، دوسرے بزرگوں سے اجازت و خلافت حاصل تھی، ۱۰۸۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی، سال ولادت ۱۰۰۰ھ ہے۔

تذکرہ علمائے حنفیہ میں مذکور ہے

دیوان صاحب نے سند حدیث شریف کی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، وقت پڑھنے حدیث شریف کے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میاں نور الحق! دیوان صاحب حدیث شریف پڑھتے ہیں ہم سنتے ہیں، تم بھی سنتے جانا، دیوان صاحب نے کتب صحاح ستہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو سنایا اس کے بعد شیخ نے آپ کو سند حدیث شریف کی دی، اس کے بعد دیوان صاحب دہلی سے جونپور تشریف لائے (ص۱۵۹)

اور نفحات العنبریہ میں ہے کہ "اجازت حدیث آپ کو حضرت شیخ نور الحق بن حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے حاصل تھی" (ص۱۴۲)

(۱۴) مخدوم شاہ طیب بنارسی، منڈواڈیہ (بنارس) میں آپ کا مزار زیارت گاہ خلائق ہے، آپ حضرت تاج الدین جھوسوی کے خلیفۂ ارشد اور مولانا خواجہ کلاں کے مرید تھے، آپ کے

مفصل حالات حضرت شاہ یٰسین صاحب نے مناقب العارفین میں لکھے ہیں، آپ کی وفات ۱۰۴۲ھ میں ہوئی۔

شاہ یٰسین صاحب فرماتے ہیں

وتیکہ برائے زیارت پیراں، شیخ بجانب حضرت دہلی رفتہ بود، شیخ الاسلام قدوۃ الانام استاد المفسرین امام المحدثین حاجی الحرمین الشریفین بندگی میاں شیخ عبدالحق الدہلوی البخاری کہ دراں وقت مقتدائے سلسلہ علیہ قادریہ بود ملاقات واقع شد وے راشیخ کامل ومکمل یافت وسلسلہ اش صحیح ودرست دید اجازت ایں سلسلہ شریفہ از وے گرفت وخرقہ قادریہ از دست وے پوشید

جس وقت مخدوم صاحب پیران سلسلہ کی زیارت کے لئے دہلی گئے تو وہاں شیخ الاسلام قدوۃ الانام استاد المفسرین امام المحدثین حاجی الحرمین الشریفین بندگی میاں شیخ عبدالحق دہلوی بخاری سے ملاقات ہوئی جو اس وقت سلسلہ عالیہ قادریہ کے پیشوا تھے، ان کو شیخ کامل ومکمل اور ان کے سلسلہ کو درست پایا اس لئے اس سلسلہ کی اجازت ان سے لی اور ان کے ہاتھ سے خرقہ قادریہ پہنا۔

مناقب العارفین میں یہ بھی ہے کہ حضرت تاج الدین جھوسوی کی وفات کے بعد (یعنی ۱۰۳۰ھ کے بعد) مخدوم صاحب دہلی گئے تھے۔

(۱۵) عارف کامل مولانا شاہ عبدالجلیل الہ آبادی خلیفہ حضرت شیخ محمد صادق گنگوہی بھی حضرت شیخ محدث دہلوی کے شاگرد رشید تھے (انوار العاشقین ص۱۰۱)

اس وقت جو نام میری یاد میں تھے ان کو میں نے پیش کر دیا مجھے امید ہے کہ کافی جستجو سے مزید نام بھی مل سکتے ہیں۔

اولادِ شیخ محدث

یہ عنوان حیات شیخ عبدالحق میں موجود ہے مگر اس میں اضافہ کی ابھی بہت زیادہ گنجائش

ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ مصنف نے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا ہے ورنہ وہ خود اس میں اضافہ کر سکتے تھے، تاہم اس ذیل میں حضرت حافظ محمد محسن قدس سرہ کا نام نہ آنے کی وجہ سے ہم کو بڑی کمی محسوس ہو رہی ہے۔

(۱) حضرت حافظ محمد محسن رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت شیخ محدث کے درمیان کتنے واسطے ہیں ——— اس کی تحقیق تو نہیں ہو سکی، لیکن وہ بالاجماع حضرت شیخ کی اولاد میں تھے، اور کم از کم درمیانی واسطے تین ہوں گے، حافظ صاحب جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے، اور دہلی میں آپ کے وقت میں علماء فضلائے شہر میں سے کسی کو آپ کے ساتھ برابری کی جرأت نہ تھی، جیساکہ صاحب حدائق الحنفیہ کا بیان ہے۔

باطنی سلسلہ میں آپ عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم (المتوفی ۱۰۷۹ھ) کے خلیفہ ارشد تھے، اور خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے خلف الصدق و خلیفہ اعظم تھے، حضرت میرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ فرماتے تھے کہ جس وقت حضرت سید نور محمد کے پیر حضرت حافظ محمد محسن خواجہ صاحب (خواجہ محمد معصوم) کی خدمت میں استفادہ کے لئے حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ آپ کے بزرگوں نے ہمارے بزرگوں کا (ابتدا میں) انکار کیا تھا، آپ انکار کے ساتھ آئے ہیں یا اقرار کے ساتھ، حافظ صاحب نے کہا کہ بجہت استغفار از انکار (انکار سے عذر خواہی کے لئے حاضر ہوا ہوں) اس کے بعد خواجہ صاحب کی صحبت میں رہ کر درجہ کمال و تکمیل کو پہونچے (مقامات مظہری ص۹۴) اور بقول صاحب حدائق الحنفیہ ورع و تقویٰ و زہد و ریاضت میں یگانۂ روزگار ہو کر خلافت کا خرقہ حاصل کیا (ص۴۴)

حضرت حافظ صاحب کے کمالات اور ان کے مرتبہ کی بلندی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ وہ حضرت سید نور محمد بدایونی (حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے پیر و مرشد) کے پیر تھے جیسا کہ میرزا صاحب کی زبانی آپ ابھی سن چکے، اور خود سید صاحب بھی ان کا نام یوں لیتے تھے پیر خود حضرت حافظ محمد محسن (ہمارے پیر حضرت حافظ محمد محسن) (مقامات مظہری ص۹)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی، سید صاحب کے حال میں لکھتے ہیں

"بخدمت حضرت حافظ محمد محسن کہ از اولاد شیخ عبدالحق محدث و خلفار حضرت ایشاں محمد معصوم اند رحمۃ اللہ علیہم رسیدہ سالہا تحصیل فیوض صحبت کردہ بحالات بلند و مقامات ارجمند مشرف شدہ اند (مقامات مظہری صث)	اور حضرت حافظ محمد محسن (جو شیخ عبدالحق محدث کی اولاد میں اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلفاء میں تھے) کی خدمت میں برسوں رہ کر صحبت کے فیوض حاصل کئے اور بلند حالات و مقامات سے مشرف ہوئے۔

خود سید صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے پیر حضرت حافظ محمد محسن کے مزار کی زیارت کو گیا، مراقبہ کیا تو معلوم ہوا کہ بدن شریف اور کفن بالکل درست ہے، ہاں پیر کے تلوے کے چمڑے اور اس جگہ کے کفن پر مٹی کا اثر ہو گیا ہے، وجہ پوچھی تو فرمایا کہ تم کو معلوم ہوگا کہ ایک اجنبی کا پتھر وضو کی جگہ ہم نے اس ارادہ سے رکھ لیا تھا کہ جب اس کا مالک آجائے گا تو اس کو دے دیں گے، اتفاق سے ایک بار اس پر ہم نے قدم رکھ دیا تھا، اسی کام کی نحوست سے مٹی کا یہ اثر ہو گیا ہے (مقامات مظہری ص۹)

حضرت حافظ صاحب کی وفات ۱۱۷۴ھ میں ہوئی، (حدائق ص۴۴ و تذکرہ علمائے ہند ص۲۱۲) مزار حضرت شیخ محدث کے قبرستان میں ہے (مزارات اولیائے دہلی)

ان مختصر حالات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ محدث کی اولاد میں حضرت حافظ محمد محسن کی شخصیت بڑی اہم شخصیت ہے، حضرت میرزا مظہر جانجاناں اور حضرت شاہ غلام علی قدس سرہما کے سلسلہ سے ہند و بیرون ہند میں جتنے حضرات صوفیہ وابستہ ہیں، حافظ صاحب ان سب کے شیخ الشیوخ ہیں، اور اس لحاظ سے اولاد شیخ عبدالحق میں ان کا نام کسی طرح نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں ہے، اسی طرح چند اور نمایاں ہستیاں بھی ہیں جن کا ذکر اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۲) حضرت شیخ محمد احسان رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ حضرت میرزا مظہر قدس سرہ، آپ کی نسبت شاہ غلام علی صاحب فرماتے ہیں۔

از قدمائے اصحاب و کمّل خلفائے حضرت ایشاں از اولاد حضرت حافظ محمد محسن در نسب بشیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہم میرسند (مقامات مظہری ص۱۰)	حضرت میرزا مظہر جان جاناں کے قدیم اصحاب اور کامل ترین خلفا میں اور حضرت حافظ محمد محسن کی اولاد سے تھے، نسب میں شیخ عبد الحق سے ملتے ہیں۔

(۳) شیخ غلام حسن رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ حضرت میرزا مظہر قدس سرہ، آپ کی نسبت مقامات مظہری میں مذکور ہے کہ شیخ محمد احسان کے بھائیوں میں تھے، حضرت میرزا صاحب قدس سرہ کے زبدۂ احباب اور مخصوص اصحاب میں آپ کا شمار ہے (ص۹۲)

(۴) شیخ مقرب اللہ، اب ہم ایک ایسی ہستی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو جسمانی حیثیت سے ان کی اولاد میں شمار ہوتی ہے اور علمی حیثیت سے ان کے مسند کی وارث ہے، شیخ مقرب اللہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے، شیخ مقرب اللہ بن جار اللہ بن نور اللہ بن نور الحق بن شیخ عبد الحق میرزا محمد بدخشی نے آپ کو العلامۃ المتفنن (مختلف فنون کے ماہر علامہ) کے اوصاف کے ساتھ ذکر کر کے لکھا ہے کہ آپ نے دہلی میں رمضان ۱۱۳۳ھ میں وفات پائی، اس وقت آپ کی عمر تقریباً ساٹھ برس تھی، اس کے بعد لکھا ہے

وھو اول من قرأت علیہ الحدیث (تاریخ محمدی)[1]	وہ پہلے شخص ہیں جن کے پاس میں نے حدیث پڑھی

(۵) مولانا مفتی اکرام الدین المتخلص بہ حیران سلسلۂ نسب یہ ہے۔ اکرام الدین[1] بن مولوی[2] نظام الدین بن مولوی[3] محب الحق بن شیخ[4] نور الحق ثانی بن شیخ محب اللہ[5] بن شیخ[6] نور اللہ بن شیخ[7] نور الحق بن شیخ عبد الحق۔

---

[1] "معارف" اگست ۱۹۴۷ء

دہلی میں ۱۰۹۱ھ میں پیدا ہوئے، علوم عقلیہ و نقلیہ اپنے والد اور مولوی حافظ محمد کاظم، و مولوی فائق علی (شاگرد بحر العلوم مولانا عبد العلی) و مولوی مدن و مولوی سدن و مولوی خواجہ احمد جالندھری سے حاصل کیے

آپ کے والد مولوی نظام الدین میرزا جہاندار شاہ جواں بخت کے استاد اور اتالیق تھے، آپ کے دادا مولوی محب الحق اور ان کے والد شیخ نور الحق ثانی اور اپنے زمانہ میں خود مفتی اکرام الدین پانی پت کے عہدۂ قضا اور دہلی کی مسند افتار پر متمکن رہے ۔

نواب سید علی حسن خاں لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان کے لحاظ سے شاعری ان کے مرتبہ سے بہت فروتر چیز ہے تاہم موزونی طبیعت کی بنا پر نکتہ سنج شاعر تھے، ایک ہزار بیت سے زیادہ پر مشتمل ایک دیوان ان کی یادگار ہے (صبح گلشن ص۴۹۱)

اساتذۂ شیخ محدث

اس عنوان کے تحت ہم کو یہ گذارش کرنا ہے کہ ہندوستان میں حضرت شیخ نے جن دانش مندوں سے علم حاصل کیا ہے ان کے نام تو معلوم نہیں ہوسکے، لیکن حجاز میں شیخ عبدالوہاب متقی کے سوا دیگر علمائے وقت کے سامنے بھی شیخ محدث نے زانوئے تلمذ تہ کیا ہے اور ان سے حدیث کی سند لی ہے، جیساکہ وہ خود فرماتے ہیں،

دبا جازت نامۂ عام و شامل و کامل تمامہ کتب احادیث و سائر علوم دینیہ از علمائے کرام آں عالی مقام .... مشرف و فائز گشتہ (تالیف ص۱۰)

شیخ عبدالوہاب متقی کے ساتھ ان علمائے کرام کا تذکرہ بھی ہونا چاہیے تھا، ہم کو ان میں سے ایک محدث کا نام پہلے پہل حدائق الحنفیہ کے ذریعہ معلوم ہوا ہے، اس لئے اس جگہ پہلے حدائق کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

(۱) شیخ علی بن جار اللہ قرشی خالدی مخزومی مکی، خالد بن ولید کی اولاد میں مکہ معظمہ میں رہتے تھے

اپنے وقت کے فقیہ فاضل، محدث کامل، مفتی وخطیب مکہ تھے، آپ ہی تھے جو اس وقت صحیح بخاری کا جیسا کہ چاہیے درس علی الاطلاق دے سکتے تھے، فصاحت وبلاغت اور سلاست طبع ونظافت تقریر وتحریر اور حسن خلق میں دستگاہ کامل رکھتے تھے علاوہ اس کے درویشوں کی محبت اور اعتقاد مشائخ اور قلت طعام اور ریاضت نفس میں بھی آپ کو بہرۂ وافر حاصل تھا، تمام روز حصائے حرم شریف پر بیٹھ کر امور دینیہ ومقاصد علمیہ کو انجام دیتے، اور افتار وتدریس میں مصروف رہتے تھے، اکابر وشرفار کی تزویج وخطبہ خوانی میں بھی آپ ہی سے لوگ تبرک چاہتے تھے، صرف آپ اور آپ کے والد بزرگوار حنفی المذہب تھے، اور سب قوم آپ کی شافعی تھی، آپ کو فتوے کے کتاب دیکھنے کی کچھ احتیاج نہ ہوتی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کتب احادیث خصوصاً صحیح بخاری آپ ہی سے پڑھی اور احادیث کی سند حاصل کی، کئی دفعہ صحیح بخاری کے مذاکرہ کے وقت شیخ عبدالحق سے فرماتے تھے کہ بخدا جو تم نے مجھ سے حاصل کیا ہے اس سے فائدہ لینا میرا زیادہ ہے شیخ علی بن جاء اللہ کو شیخ علی متقی سے نہایت اعتقاد تھا اور انھوں نے آپ کو اپنا خرقہ بھی مرحمت فرمایا تھا۔ آپ شیخ عبدالوہاب سے بھی بڑی محبت رکھتے تھے (حدائق الحنفیہ ص۴۰۲)

غالباً یہ حالات مصنف حدائق نے زاد المتقین سے لئے ہیں، زاد المتقین میرے پاس نہیں ہے۔ مصنف حیات شیخ عبدالحق نے جابجا زاد المتقین کے حوالے دیئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف کے وقت وہ کتاب ان کے پیش نظر تھی، پھر تعجب ہے کہ اس باب میں انھوں نے اس سے کیوں مدد نہیں لی۔

فقیر راقم الحروف کے مطالعہ سے حضرت شیخ عبدالحق کا ایک قلمی رسالہ گذرا ہے، جس کا نام اس کے سرورق پر ثبت الشیخ عبدالحق الدہلوی لکھا ہوا تھا، میرا خیال ہے کہ وہ وہی رسالہ ہے جس کا نام شیخ نے فہرس توالیف میں اجازۃ الحدیث فی القدیم والحدیث لکھا ہے اس میں خود شیخ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ مجھ کو زبانی تو بہت سے علماء سے سند حاصل ہے،